برطانوی ہند کے مُسلم تعلیمی اداروں کی معاونت میں ریاست بہاول پور کا کردار

ڈاکٹر محمد اکبر ملک

ابتدائیہ:۔

اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء) کی وفات برصغیر کی متحدہ مرکزیت کا خاتمہ ثابت ہوئی۔ سابقہ تاریخی روایات کے مطابق برصغیر ایک دفعہ پھر مرکز گریز رجحانات اور شکست وریخت کے عمل سے گزرا۔ جس کے نتیجے کے طور پر لاتعداد ریاستوں نے جنم لیا۔ ان میں سے کچھ تو راجپوتانہ کی قدیم ریاستیں تھیں، کچھ مغلوں کے زوال کے زمانے میں مغل گورنروں کے خودمختار ہونے کی بناء پر اور اسی طرح مرکز کی کمزوری کی بنا پر وسط ہند کی مرہٹہ ریاستیں بھی بااختیار ہوگئیں۔ جب کہ کچھ ریاستیں فوجی مہم جوؤں کی کارگزاریوں کی بدولت ظہور پذیر ہوئیں۔ جن کی تعداد تقریباً ۵۶۰ تھی، جو ہندوستان کے کل رقبے کے نصف پر پھیلی ہوئی تھیں اور ہندوستان کی کل آبادی کی ایک چوتھائی ان میں آباد تھی (۱)۔ برطانوی دورِ اقتدار میں ان ریاستوں کی داخلی خودمختاری کو قائم رکھا گیا اور انگریزوں نے انہیں انڈین، انڈیا کا نام دیا۔ ان میں سے ایک ریاست بہاول پور تھی جس کا قیام ۱۷۲۷ء میں عمل میں آیا۔ جو شمال مغربی ہندوستان کی ایک اہم مسلم اکثریت آبادی پر مشتمل تھی۔ جس کا رقبہ ۴۵۵۸۶ مربع کلومیٹر تھا۔ جو موجودہ دور کے کئی ممالک مثلاً لبنان، کویت، اسرائیل، متحدہ عرب امارات اور ڈنمارک سے آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بڑی ریاست تھی۔ اسے قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے والی سب سے پہلی ریاست کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔ یہ ریاست ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے ایک انتظامی یونٹ (صوبہ) (۲) کا درجہ حاصل کرنے کے بعد ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک قائم رہی۔ جس میں صوبائی اسمبلی، سول سیکٹریریٹ، ہائی کورٹ اور تمام ضروری صوبائی ادارے قائم تھے۔

علمی لحاظ سے خطہ بہاول پور، عظیم روایات کا حامل رہا ہے۔ بدھ مت کے دور میں یہاں کی ایک عظیم درسگاہ کنشکا (Kanishka) عہد میں قائم ہوئی۔ جس کے آثار بہاول پور شہر کے قریب سوئی وہار کے قصبے میں موجود ہیں (۳)۔ اس طرح موریہ دور کے بدھوں کی ایک اور عظیم عبادت گاہ رحیم یار خان کے قریب پتن منارا کے مقام پر قائم کی گئی (۴)۔

اس طرح مسلم دور میں برصغیر پاک و ہند میں خطہ اوچ کو جو دینی اور علمی حیثیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری (۱۱۷۱ء۔۱۲۰۶ء) کے دور حکومت میں حضرت صفی الدین گاذرونی نے ایک عظیم الشان درسگاہ مدرسہ فیروزیہ کے نام سے قائم کی جسے اس دور کی ایک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل تھی، جہاں کم وبیش ڈھائی

ہزار کے لگ بھگ تشنگانِ علم اپنے دور کے نامور علماء اور مشائخ سے مستفید ہوتے تھے (۵)۔ ناصر الدین قباچہ (۱۲۰۶ء۔ ۱۲۲۸ء) نے پایہ تخت دہلی کے مقابلے میں اوچ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس زمانے میں تاتاریوں کی یلغار سے تباہ حال وسطی ایشیاء اور مشرقِ وسطیٰ کی علمی شخصیات اوچ میں پناہ گزیں ہوئیں۔ جس کی وجہ سے اوچ کی علمی وقعت وعظمت میں مزید اضافہ ہوا۔ اسی دوران مشہور تصنیف ''طبقات ناصری'' کے مصنف قاضی منہاج الدین سراج بھی قباچہ کے دربار سے منسلک ہوئے اور انہیں مدرسہ فیروزیہ کا مہتمم مقرر کیا گیا (۶)۔

اسی علمی پس منظر میں خلافت عباسیہ کی عظیم علمی روایات کے حامل عباسی داؤد پوتروں نے خطہ بہاول پور کو اپنا مسکن بنایا اور اس علاقے کو علم نوازی اور علم دوستی سے منور و تاباں کیا۔ ابتدائی امیرانِ بہاول پور نے ریاست بھر میں دینی و دنیاوی تعلیم کے کئی مراکز قائم کئے۔ نواب صادق رابع (۱۸۶۶ء۔ ۱۸۹۹ء) نے تحریک علی گڑھ سے متاثر ہوکر ۱۸۸۶ء میں صادق ایجرٹن (ایس ای) کالج کے نام سے ایک تعلیمی ادارے کا سنگِ بنیاد رکھا تاکہ ریاست بہاول پور کے عوام کو عصر حاضر کے علوم سے آراستہ کیا جاسکے۔ اس ادارے کے دروازے علی گڑھ کالج کی طرح برصغیر کے تمام مسلمانوں کے لئے وا تھے۔ تعلیم ارزاں تھی، سیدوں اور یتیموں سے تعلیمی فیس نہیں لی جاتی تھی جب کہ قیام و طعام کی سہولیات بھی فراہم کی جاتی تھیں (۷) اس طرح ریاست بہاول پور میں عورتوں کو جدید خطوط پر تعلیم دلانے کے سلسلے میں خصوصی توجہ دی گئی اور ۱۹۰۴ء میں گرلز سکول بہاول پور میں قائم کیا گیا۔ ریاست بہاول پور کے ہمسائیگی میں بلوچستان سے ڈیرہ اسماعیل خان تک بیسویں صدی کی پہلی دھائی تک کوئی بڑا ادارہ نظر نہیں آتا۔ لہذا ان دور افتادہ علاقوں کے طلباء بہاول پور کے صادق ڈین ہائی سکول اور ایس ای کالج میں تعلیمی پیاس بجھانے آتے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کئی علمی شخصیات دربار بہاول پور سے منسلک ہوئیں جن میں علمائے ڈیرہ اور (میاں نظام الدین کے جد امجد)، علوی خاندان (محلہ قاضیاں)، میر سراج الدین (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۹ء) (محلہ نواباں)، پروفیسر ڈاکٹر شجاع ناموس (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۸۱ء) اور مغلیہ خاندان کے مرزا محمد اشرف گورگانی سرفہرست ہیں۔ لہذا سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو ہمہ گیر زوال سے نکالنے کے لئے تعلیم اور تعلیم کا نظریہ مسلم امۃ کو پیش کیا۔ اس کی بھرپور پذیرائی ریاست بہاول پور نے کی۔ انگریزوں کا اتحادی ہونے کی حیثیت سے ریاست بہاول پور پابند تھی کہ وہ انگریزی استعمار کو تقویت دینے کے عمل میں شریک ہو۔ ۱۸۳۳ء (۸) اور ۱۸۳۸ء کے معاہدات (۹) کی پاسداری میں ریاست بہاول پور نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ خصوصاً ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ریاست بہاول پور کی فوج کو مدد کے لئے طلب کیا گیا۔ مگر عملی طور پر ریاستی فوج کو کسی محاذ پر اپنے ہم وطن حریت پسندوں کے خلاف تیغ آزمائی کے لئے سامنے نہ لایا گیا۔ امیرانِ بہاول پور نے اپنے اس عمل سے انگریزوں کے دل

میں ویسی جگہ بنائی جیسا کہ سرسید احمد خان نے بجنور میں چند انگریزوں کی جان بچا کر ان کے محسن کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔اسی طرح امیران بہاول پور اور سرسید احمد خان نے ان تعلقات کو برصغیر کے مسلمانوں کے لئے مراعات حاصل کرنے، ان کی امداد اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے استعمال کیا۔

تاریخی ارتقاء:۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریز ہندوستان کے سیاہ سفید کے مالک بن گئے۔ ہندو اپنی فطری چالا کی وعیاری سے انگریز حکمرانوں کے قریب تر ہوتا چلا گیا جبکہ مسلمان جو مالی لحاظ سے پہلے ہی پسماندہ کر دیئے گئے تھے علمی اعتبار سے بھی بہت پیچھے رہ گئے۔ان دگرگوں حالات میں مسلمان ایک بکھری ہوئی قوم بن کر رہ گئے تھے۔یہی وہ حالات تھے جب سر سید احمد خان جیسے بیدار مغز سیاسی اور سماجی رہنما نے فیصلہ کیا کہ جب تک مسلمان تعلیم کے میدان میں ترقی نہ کریں گے اس وقت تک نہ تو مسلمان اپنا تشخص قائم رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو سیاسی وسماجی حقوق مل سکتے ہیں۔مسلمان چونکہ ہندوستان میں اقلیت میں تھے اس وجہ سے بھی ان کے ساتھ سیاسی وسماجی ناانصافیاں روا رکھی جارہی تھیں یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان دو نمبر کے شہری بن کر رہ گئے تھے۔لہذا سرسید احمد خاں نے علیگڑھ کی تعلیمی تحریک کا آغاز کیا تا کہ مسلمانوں کو دین کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بہرہ ور کیا جائے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ علم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی تھی۔علیگڑھ تحریک کی کامیابی میں جہاں سرسید احمد خاں کی انتھک محنت خلوص، لگن کارفرما تھی وہاں پر ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی دامے درمے سخنے اس تحریک کی مدد کی اس سلسلے میں ہندوستان کی مسلم ریاستوں کے والیان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اگر ہم تحریک پاکستان کا مطالعہ کریں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تین والیان ریاست ایسے تھے جنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں فروغِ علم کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ان میں نظام حیدر آباد دکن، نواب آف بھوپال اور نواب آف بہاول پور صادق محمد خاں خامس (۱۹۰۴ء،۱۹۶۶ء) قابل ذکر ہیں۔

اگر ہم ان تینوں شخصیات کے کردار کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں ایسے بیدار مغز حکمران تھے جو نہ صرف اپنی ریاستوں میں تعلیم کے فروغ کے لئے کام کر رہے تھے بلکہ ہندوستان کے مختلف تعلیمی اداروں کی ترقی کے لیے بے پناہ مالی اعانت بھی فراہم کر رہے تھے۔اس سلسلے میں بہاول پور کے عباسی خاندان کی علمی خدمات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان نے ایسے تمام اداروں کی دل کھول کر امداد کی جو ہندوستان کے مسلمانوں میں علمی شعور پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہے تھے جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی عظیم تعلیمی درسگاہ ندوۃ العلماء جس کا خیال (۱۸۹۲ء) میں مدرسہ فیض عام کانپور کے ایک

سالانہ اجلاس میں مولانا سید محمد علی مونگری نے پیش کیا۔ اس اجلاس میں شریک تمام جید علماء نے اس کی تائید وحمایت کی۔ دسمبر ۱۸۹۸ء میں اس کا باقاعدہ آغاز ہوا یہ اس دور کا اعتدال پسند اور روشن خیال تعلیمی مرکز تھا۔ جس نے برصغیر کے مذہبی و تعلیمی مسائل حل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ نواب بہاول خاں خامس (۱۸۹۹ء۔۱۹۰۷ء) تک جب اس ادارہ کی شہرت پہنچی تو انہوں نے غریب طلباء کی امداد کے لئے ۳۰۰ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا [۱۰] اور سالانہ امداد بھی مقرر کی ریاست بہاول پور کی علمی فیاضی سے برصغیر پاک و ہند کے جو تعلیمی ادارے سب سے زیادہ مستفید ہوئے۔ ان میں ندوۃ العلماء کا ادارہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں اس ادارے کی نئی عمارت کی تعمیر کا تخمینہ پچاس ہزار روپے لگایا گیا تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ پچاس مخیّر افراد سے ایک ایک ہزار روپے چندہ لیا جائے تو اس طرح یہ نیک کام با آسانی تکمیل کو پہنچے گا۔ اس سلسلے میں ندوہ کے سفیر مولوی غلام محمد ایک اپیل لے کر نواب بہاول خاں خامس کی والدہ حضرت مائی صاحبہ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے فرمایا کہ پچاس افراد کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں یہ ساری رقم میں ادا کرونگی۔ اس طرح انہوں نے ۱۹۰۸ء میں ندوۃ العماء کے لئے پچاس ہزار کا عطیہ ارسال کیا۔ جس کے اعتراف میں بطور سید مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) نے ایک معرکتہ الآرا خط لکھا اور حضرت مائی صاحبہ کو زندہ زبیدہ خاتون کے خطاب سے نوازا [۱۱]۔ اس طرح ندوۃ العلماء کے ایک اور معتمد عبدالحیٰ کی طرف سے ایک خط عطیہ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ریاست کے عبوری صدر سر رحیم بخش (۱۹۰۷ء۔۱۹۲۴ء) [۱۲] کو لکھا گیا جس میں عطیہ کی تفصیل تو درج نہیں تاہم اسے عظیم الشان احسان کے الفاظ سے معمور کیا گیا ہے [۱۳]۔

تحریک پاکستان کے ایک اور قابل فخر رہنما نواب سلیم اللہ خان (۱۸۸۴ء۔۱۹۱۵ء) آف ڈھاکہ نے بھی اپنے آپ کو تعلیم کی ترویج وترقی کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ آپ بنگال کے مسلمانوں کے لئے ایک قابل فخر سرمایہ تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام سے قبل ابتدائی اقدام کے طور پر آپ برصغیر کے طول و عرض کے لئے مسلمان طلباء کے لئے مدارس، کالج، اور ہوسٹلوں کی تعمیر و قیام ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے اپنی ذاتی امداد سے کلکتہ میں باقر ہوسٹل، رانچی کالج، ڈفرن ہوسٹل، ڈھاکہ انجنیئرنگ سکول اور یونیورسٹی کے قیام میں مدد کی۔ اسطرح آپ برصغیر کے مسلمان ریاستوں کے فرمانرواؤں کی توجہ بھی اس عظیم تر قومی فریضہ کی طرف مبذول کراتے تھے۔ اسی طرح ایک موقع پر آپ کی نگاہ انتخاب ریاست بہاول پور کے نوعمر فرمانروا نواب صادق محمد خاں خامس کی طرف مبذول ہوئی۔ ۱۹۰۹ء میں آپ نے ایک خط نواب آف بہاول پور کو تحریر کیا۔ جس میں آپ نے کلکتہ کے قدیم مسلم مدرسہ جسے کالج کا درجہ دے دیا گیا تھا، میں مسلم طلباء کو رہائشی سہولیات (تعمیر ہوسٹل) دینے کے لئے امداد کی درخواست کی۔ جس کا تخمینہ ایک لاکھ روپے لگایا گیا تھا [۱۴]۔ دستیاب ریکارڈ سے بہاول پور کی امداد کے شواہد تو نہیں ملے لیکن امید ہے درخواست کرنے والی شخصیت کے مرتبے کا ضرور خیال رکھا گیا ہوگا۔

اسی طرح مسلمانوں کو سیاسی طور پر منظم کرنے کے لئے مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سیاسی تنظیم کے صدر سر آغا خاں سوئم (۱۸۷۷ء۔۱۹۵۷ء) مقرر ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۱۱ء میں نواب محمد صادق خاں خامس کی کونسل آف ریجنسی کے صدر سے چندے کی اپیل کی۔ ریاست کی طرف سے ایک لاکھ روپے بھجوائے گئے۔ انہوں نے شکریہ کا خط لکھا اور مزید پچاس ہزار روپے فوری بھجوانے کے لئے کہا(۱۵) حالانکہ انگریزوں کی طرف سے ریاست کے حکمرانوں کے لئے برصغیر کی سیاست میں حصہ لینا یا ان کی امداد کرنا ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ریاست کے حکمران نے آغا خان کی اپیل پر مسلم لیگ کے لئے چندہ فراہم کیا۔

۱۸۸۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کا قیام عمل میں آیا جس کے مقاصد میں مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ادارے قائم کرنا اور مسلمان لاوارث بچوں کی پرورش کے علاوہ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا شامل تھا۔ اس طرح پنجاب کے مسلمانوں کے لئے انجمن حمایت اسلام لاہور کی سماجی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس انجمن کو ریاست بہاول پور کی طرف سے سالانہ چندہ ارسال کیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی مواقعوں پر اس انجمن کے رہنماؤں کی درخواست پر وافر مالی اعانت فراہم کی جاتی تھی۔ ایسی ہی ایک امداد کے سلسلے میں سر فضل حسین نے ۱۰، جون ۱۹۲۱ء کو ایک خط کے ذریعے دربار بہاول پور سے ایک کالج کے لئے زمین کی خریداری کے لئے ۵۵ ہزار روپے امداد کی درخواست کی(۱۶)۔

نومبر ۱۹۳۹ء میں علامہ اقبال (۱۸۷۲ء۔۱۹۳۹ء) انجمن حمایت اسلام جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے تو انہوں نے بھی برصغیر کے مختلف والیان ریاست سے اپنے تعلقات کی بناء پر انجمن کے لئے گراں قدر مالی امداد حاصل کی۔ چنانچہ انجمن حمایت اسلام کے چھیالیسویں سالانہ اجلاس جو کہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو لاہور میں منعقد ہوا جس کی صدارت علامہ محمد اقبال کی خواہش پر نواب محمد صادق خاں خامس نے فرمائی۔ جسٹس شیخ عبدالقادر نے اعلیٰ حضرت نواب بہاول پور کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔ علامہ اقبال نے نواب بہاول پور کی خدمات میں تہنیت نامہ پیش کیا جس میں عرب کے عباسیوں کی علم نوازیوں کا ذکر کیا۔ انجمن کی کارکردگی بیان کی اور مزید یہ کہ "۱۹۰۸ء میں ریاست بہاول پور کی طرف سے ۷۵ ہزار روپے کی جو خطیر رقم مرحمت فرمائی، جس سے کالج کی عمارت کا ایک پورا باز و تعمیر ہوا۔ جو بہاول پور ونگ کہلاتا ہے۔ مسلمانان پنجاب اس عطیہ خسروانہ جو اس ونگ کی صورت میں ہمیشہ قائم رہے گا، کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اس سال سالانہ عطیہ کی رقم میں بھی اضافہ فرمایا گیا اور کالج کے ہوسٹل کی تعمیر کے لئے ۳۰ ہزار روپے کی مزید رقم عطا فرمائی گئی۔ اس وقت بھی ہر سال انجمن کو ۲ ہزار روپے مل رہے ہیں"(۱۷)۔ اس خطاب کے آخر میں پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے اور ارکان انجمن کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا۔ اس موقع پر نواب آف بہاول پور نے بھی انجمن حمایت اسلام کے لئے ۲۵ ہزار روپے کا گرانقدر نقد عطیہ عطا فرمایا(۱۸)۔

اسی طرح مسلمانانِ برصغیر کے معروف تعلیمی ادارہ علیگڑھ کے لئے بھی ریاست بہاول پور کی طرف سے ہمیشہ گرانقدر مستقل مالی اعانت جاری رہی۔نواب صادق خامس اس ادارے سے بھی خصوصی رغبت رکھتے تھے۔۱۹۳۰ء میں آپ نے علیگڑھ کے کانووکیشن سے خطاب کیا۔جس میں آپ نے فرمایا علیگڑھ یونیورسٹی کے گریجویٹس پر ایک بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔آپ کی مادر علمی آپ کو ایک ایسے وقت پر دنیا میں بھیج رہی ہے۔جب آپ کے ملک میں زندگی کی دوررس تبدیلیاں ہورہی ہیں ان تبدیلیوں کا مطلب ترقی، ذہنی آزادی، ملک کی سماجی اور اقتصادی ترقی ہو یا انتشار، عدم اتحاد اور کمزوری ہو۔آپ میں سے ہر ایک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ وہ عظیم کام سرانجام دیں اور یہ کام اس لئے بھی عظیم ہیں کہ ان کے مستقبل کے نتائج بھی بہت عظیم ثابت ہوں گے۔[19] اس خطاب میں جہاں آپ سرسید احمد خان کی خدمات کو سراہا وہاں نئی نسل کو آنے والے عظیم مقصد (قیام پاکستان) کی نوید بھی سنائی۔

ریاست کیطرف سے برصغیر پاک وہند کے دیگر مسلم تعلیمی اداروں کے حوالے سے بھی ایک طویل فہرست ملتی ہے جن کو ماہانہ، سالانہ اور باوقتِ ضرورت تعمیرات کے لئے یک مشت کثیر امدادیں مہیا کی گئیں جن کی تفصیل ذیل ہے۔

۱۔	انجمن اسلامیہ راولپنڈی کو ۱۹۱۰ء میں	۵۰،۰۰۰ روپے
۲۔	آل انڈیا ایجوکیشن فنڈ	۵۰۰۰ روپے
۳۔	ندوۃ العلماء لکھنو	۱۵۰۰۰ روپے
۴۔	لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج دہلی	۳۰۰۰ روپے
۵۔	پنجاب یونیورسٹی سالانہ	۱۲۰۰ روپے
۶۔	ایچیسن چیفس کالج لاہور ماہانہ	۲۰۰۰ روپے
۷۔	آل انڈیا میوزک کالج	۱۰۰۰۰ روپے
۸۔	آل انڈیا اورینٹیل کانفرنس	۱۵۰۰۰ روپے
۹۔	آل انڈیا محمڈن اینگلو کانفرنس	۱۲۰۰۰ روپے
۱۰۔	میڈیکل کالج لدھیانہ	۵۰۰۰ روپے
۱۱۔	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱،۰۰۰۰۰ روپے
۱۲۔	انجمن حمایت اسلام لاہور سالانہ	۳۰۰۰ روپے
۱۳۔	اسلامیہ کالج لاہور	۳۰۰۰۰ روپے [20]

اس ضمن میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کا سینٹ ہال، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کا ایک حصہ ''بہاول پور بلاک'' اور ایچیسن کالج لاہور کی مسجد ریاست بہاول پور کی طرف سے اہلیان لاہور کے لئے تحائف ہیں (۲۱)۔

حاصل کلام:۔

المختصر ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم کے فروغ کے لئے جو انجمنیں اور علمی شخصیات کام کر رہی تھیں ان کو پوری طرح احساس تھا کہ ریاست بہاول پور برصغیر پاک و ہند کی ایک ایسی ریاست ہے جو اس سلسلے میں ان اداروں کی فراخدلانہ امداد کرتی ہے کیونکہ یہ امر واضح تھا کہ ہندوستان کے معروف تعلیمی اداروں کے لئے امیران بہاول پور نے نہ صرف مالی امداد فراہم کی، بلکہ اخلاقی طور پر ان کے سالانہ اجتماعات میں بہ نفس نفیس شریک ہوتے رہے۔امیران بہاول پور نے نہ صرف ریاست میں تعلیم کے فروغ کے لئے اہم اور نمایاں خدمات انجام دیں بلکہ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے تعلیم کے فروغ و ترقی کے لئے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔کوئی مورخ ان کی علمی خدمات کو فراموش نہیں کر سکتا جب بھی کسی ادارے کو کسی قسم کی مالی مشکلات پیش آئیں تو اس کی انتظامیہ نے ریاست بہاول پور سے رابطہ کیا تو انہیں مایوسی نہ ہوئی اور امیران بہاول پور نے بھی دل کھول کر امداد دی۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے تعلیمی ادارے دراصل نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کے موسس تھے۔ ریاست بہاول پور کی طرف سے ان اداروں کی جو مالی معاونت کی گئی وہ دراصل تحریک پاکستان کی جدوجہد کا ایک حصہ تھی چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں ریاست بہاول پور اور اس کے امیران نے انفرادی اور حکومتی سطح پر قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کیا۔

حوالہ جات

۱۔ پنڈرل مون، ہند میں انگریزی ریاست، (مترجم ادارہ تخلیقات)، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۵۹۔

۲۔ Riaz Hashmi, *Brief for Bahawalpur Province*, Karachi, 1972, pp.201-207. See for Detail Second Supplementary Instrument of Accession of Bahawalpuir State dated 29th April 1951.

۳۔ صدیق طاہر، وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ص ۱۵۰۔۱۵۲۔

۴۔ بریگیڈیئر نذیر علی شاہ، صادق نامہ، مترجم صدیق طاہر، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۵۔

۵۔ Nurul Zaman Ahmad, Auj, *Legency of Cholistan*, Lahore, 1995, p.91.

۶۔ قاضی منہاج الدین سراج، *طبقات ناصری*، جلد اول، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۷۴۵۔

۷۔ انٹرویو، امجد قریشی، سینئر صحافی، روز نامہ مشرق و مغربی پاکستان، لاہور و بہاول پور، ۲۲، جون ۲۰۰۵ء۔

۸۔ Punjab States, *Gazetteer, Vol xxxvi. A. Bahawalpur State 1904,Lahore, 1904*, p . 69.

۹۔ محمد اشرف گورگانی، *صادق التواریخ*، بہاول پور، ۱۸۹۹ء، ص ص ۲۱۵۔۲۱۶۔

۱۰۔ قمر الزماں عباسی، *بغداد سے بہاول پور تک*، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۳۵۷۔

۱۱۔ رجسٹر عطیات، حکومت بہاول پور، محافظ خانہ بہاول پور، ص ۲۹۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے خط نمبر ۱۔

۱۲۔ نواب صادق خامس کی کم سنی کی وجہ سے انگریز حکومت نے ایک کونسل آف ریجنسی قائم کی جس کے صدر سر رحیم بخش مقرر ہوئے۔ جو ۱۹۰۷ء سے ۱۹۲۴ء تک ریاست میں صدر کی حیثیت سے انتظامی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۴ء میں گورنر جنرل نے نواب صادق کی رسم تاج پوشی ادا کی اور اختیارات منتقل کئے۔

۱۳۔ رجسٹر عطیات، بحوالہ سابقہ، ص ۳۷۔ تفصیل کے لئے دیکھئے خط نمبر ۲۔

۱۴۔ قمر الزماں عباسی، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۵۔۳۶۹۔ تفصیل کے لئے دیکھیے خط نمبر ۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۶۰۔ تفصیل کے لئے دیکھیے خط نمبر ۴۔

۱۶۔ رجسٹر عطیات، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے خط نمبر ۵۔

۱۷۔ محمد حنیف شاہد، *اقبال اور انجمن حمایت اسلام*، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۴۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۱۹۔ قمر الزماں عباسی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۵۴۔۳۵۵۔

۲۰۔ ایضاً، ص ص ۱۳۲۔۱۳۴۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔

خط نمبر ۱

علامہ شبلی نعمانی کا خط نواب سر صادق محمد عباسی خامس کی دادی صاحبہ کے نام خط کا عکس

جناب مکرم مولوی رحیم بخش صاحب اسلام علیکم :۔

ریاست بھاولپور کے بے مثل فیاضی زندہ زبیدہ خاتون

مسلمانوں کے اوصاف کے بیان میں ہمکو مجبوراً ہمیشہ پچھلے زمانہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ بلند ہمتی، دریا دلی، علم پرستی، بہادری، ایک ایک چیز کے لئے ہارون الرشید مامون، زبیدہ خاتون، برامکہ اور تیموریہ کا نام لیتے لیتے ہم تھک چکے کیا موجودہ زمانہ میں ہمکو کوئی شخص اس پُرانے آموختہ سے بے نیاز نہیں کرسکتا؟ اس پُر مسرت سوال کے جواب میں ریاست بھاولپور کے افق سے ایک صدا بلند ہوتی ہے۔

''جناب معلے القاب رکن الدولہ نصرت جنگ حافظ الملک مخلص الدولہ نواب حاجی محمد بھاول خان صاحب جانشین خامس''

کی

''جدہ مکرمہ فلک احتجاب عصمت مآب خلدھا اللہ تعالےٰ''

نے

''اپنی جیب خاص سے مبلغ پچاس ہزار روپے دار العلوم ندوۃ العلماء کی عمارت کی تعمیر کیلئے عطا فرمائے''

ہندوستان میں ہر طرف اور بھی بہت سے علمی اور قومی کام ہیں لیکن اُنکے ارکان صاحب اثر، صاحب اقتدار، صاحب وجاہت ہیں، اور اس وجہ سے انکی کامیابی محل تعجب نہیں۔ لیکن یہ عطیہ ایک ایسا عطیہ ہے جسکے وجود میں خالص اسلامی ہمدردی، خالص فیاضی، خالص دریا دلی کے سوا کوئی چیز شریک نہیں۔ ندوۃ کی جماعت گوشہ نشینوں اور باشکستہ لوگوں کی جماعت ہے۔ اس کا دستِ طلب کسی دامن پر بے باکانہ اور مدعیانہ نہیں پڑسکتا۔ اس حالت میں جو دریا دل اسکی طرف متوجہ ہو محض اُسکی بے لاگ فیاضی اور خدا پرستی ہے۔

دار العلوم ندوۃ کی تعلیمی حالت جس طرح ترقی کر رہی ہے اسکے لحاظ سے دار العلوم کی موجودہ عمارت نہ صرف ناکافی ہے بلکہ اسکی تمام آئندہ ترقیوں کی سند راہ تھی نہ طلباء کے رہنے کے لئے موزوں مکانات تھے، نہ درس کے لئے کافی کمرے تھے، نہ کتبخانہ کی گنجائش کیلئے عمارت تھی، نہ علوم جدیدہ کی تعلیم کا سامان تھا کوئی شخص جو ندوہ کا مشہور اور بلند نام سنکر آتا تھا عمارت کو دیکھکر دفعتہً اُس کے تمام خیالات پست ہو جاتے تھے۔ جناب خاتون محترمہ موصوفہ ادام اللہ اقبالھا نے جو فیاضی فرمائی ہے اُس نے دار العلوم ندوہ کی نہ صرف بنیاد مستحکم کردی ہے بلکہ اس کی تمام آئندہ ترقیوں کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ اور گو آئندہ ندوہ کسی حد تک بڑھے اور کتنی ہی ترقی کر جائے لیکن انصاف یہ ہے کہ جو کچھ ہوگا اسی فیاضی کا پرتو اسی تخم کا ثمر، اسی آفتاب کی شعاعیں ہونگی (آلہٰ آباد) (اودھ) تو نہایت وسیع، نہایت ممتاز، نہایت عزیز، نہایت معزز ملک ہے لیکن سچ یہ ہے تو ہوا اور اداب اس سے خود تجکو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ کہ پنجاب نہیں بلکہ اُسکی ایک ریاست نہیں بلکہ اُسکی ایک خاتون محترم کے آگے تیری گردن ہمیشہ

کے لئے جھک گئی تو نے کبھی برھان الملک اور آصف الدولہ پیدا کئے ہونگے لیکن تو کسی زبیدہ خاتون کا نام نہیں لے سکتا۔ابن سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ہمکوان بزرگوں یعنی جناب مولوی رحیم بخش صاحب پریزیڈنٹ کونسل و تمام ممبر صاحبان کونسل اور جناب مولوی محمد الدین صاحب، ڈاکٹر تعلیمات اور جناب ڈاکٹر مولوی محمد الدین صاحب کا بھی دل سے شکریہ ادا کرنا چاہئے، جنکی وجہ سے ہماری درخواست جنابہ خاتون صاحبہ محترمہ سمع مبارک میں پہنچ سکی۔

ومن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

شبلی نعمانی معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء ۱۰مارچ ۱۹۰۸ء

خط نمبر ۲

ندوۃ العماء

لکھنو

۷۳۴ بخدمت مکرمی ومحترمی جناب مولوی رحیم بخش صاحب

اسلام علیکم

جناب نے از روئے نوازش وکرم جو سند عطیہ روانہ فرمائی وہ دفتر میں موصول ہوئیہم لوگوں کواس سے بحد مسرت اور بحد تقویت حاصل ہوئی اور انصاف یہ ہے کہ جناب نے اور جناب کے دیگر شرکا نے محض اسلامی ہمدردی سے ہم لوگوں کے ساتھ ایسا عظیم الشان احسان کیا ہے کہ ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جنکے ذریعہ سے ہم آپ حضرات کا شکریہ ادا کرسکیں، بخدا سکے کہ آپ اور جناب عالیہ اور شاہزادہ بلند اقبال کی درازی عمر اور بلندی کی بھی دعائیں شب وروز مصروف رہیں،

اس عظیم الشان عطیہ کے شکریہ میں یہاں انشااللہ الیان شہر کا ایک جلسہ بھی ہوگا جسکی کاروائی سے میں جناب کی خدمت میں اطلاع دونگا، واسلام۔

(عبدالخالق)

معتمد ندوۃ العلماء

خط نمبر ۳

نواب آف ڈھاکہ سلیم اللہ خان کا ایک خط

نواب ہز ہائینس سر صادق محمد خاں عباسی امیر بہاولپور کے نام

۴۴۔ تھیٹر روڈ۔ کلکتہ

۲۲، مارچ ۱۹۰۹ء

یور ہائینس

میں یہ خط آپ کو لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ کے نوٹس میں یہ بات لاؤں کہ بھارت میں مسلمانوں کی تعلیم کی حالت کتنی خراب ہے اور جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے آپ کو زیادہ بہتر طریقے تجویز کروں۔ کیونکہ یہ معاملہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں پر سنگین طریقے سے اثر انداز ہو رہا ہے میں آپ کو زحمت دینے کا کوئی بہانہ نہیں بنا رہا۔ بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ مسلمان تعلیم کے شعبے میں بہت پسماندہ ہیں۔ اور اب تو ان کی اس قابل رحم حالت کا سوچ کر جسم کانپ اٹھتا ہے۔ جس میں انہوں نے خود کو مبتلا کر دیا ہے۔ اور اس کے لئے بڑی حد تک وہ خود ذمہ دار ہیں۔ ان کے پاس اس زوال کی وجوہ بہت نمایاں ہیں۔ اور انہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ان میں ایک وجہ وہ یہ کہ مسلمان مغربی تعلیم کو گمراہ کن مذہبی افکار کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بایں وجہ اور اسلام کے حقیقی جذبے سے آگاہی نہ ہونے کے باعث ہم زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ سر سید احمد خاں جنہوں نے حالات کی سنگینی کو محسوس کیا۔ ان کی انتھک کوششوں کی بدولت ہمارے پاس علی گڑھ کالج جیسا ادارہ موجود ہے۔ جہاں یہ بات ضروری ہے کہ جدید خطوط پر تعلیم دینے کے لئے ہمارے پاس سکول و کالج ہوں اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ سیکولر تعلیم بھی دی جائے یہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ موجود تعلیمی نظام میں مذہب کا مشکل ہی سے کوئی مقام ہے۔ اور اس طرح یہ بات حیران کن نہیں۔ کہ مذہب کا جذبہ ختم ہو رہا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے مادی مصائب بڑھ گئے ہیں۔

میرے خیال میں مذہب تمام انسانی ترقی کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنے مذہب میں جان ڈالنے کے لئے طریقے تیار کر کے انہیں اپنانا ہوگا۔ ہر مسلمان زی روح میں اسلام کا حقیقی جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی انہیں جدید خطوط پر تعلیم دینا ہوگی۔

مجھے آپ کو آگاہ کر کے یہ خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ڈھاکہ میں حال میں ہونے والی کانفرنس جس کا اہتمام مشرقی بنگال اور اسام کے ڈائریکٹر پبلک نے کیا تھا۔ تاکہ مکاتب اور مدارس کو بہتر بنانے کے طریقے تیار کئے جائیں۔ اسی مقصد کے ساتھ یہ فیصلے بھی ہوئے۔ کہ لڑکوں کو چوتھی جماعت تک کلاس روم میں دیئے جانے والے اسباق کے ساتھ ساتھ مذہبی تربیت بھی

دی جائے۔ اس کے بعد انہیں اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے لئے کوئی راہ چن لیں۔ جس کی طرف ان کا رجحان ہو لیکن ہمیں مسلمان بچوں کے لئے ایسے کالج چاہیں جو صرف ان ہی کے لئے ہوں عام سکولوں میں ہندو طلباء پر توجہ دی جاتی ہے اسی طرح مسلمان طلباء کی طرف اتنی ہمدردی اور توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ بھی باور کیا جاتا ہے کہ ممتحن جن میں زیادہ تر ہندو ہوتے ہیں۔ شعوری یا لا شعوری طور پر مسلمان طلباء کو اتنی فیاضی سے نمبر نہیں دیتے جتنی نرمی سے وہ ہندو طلباء کو نمبر دیتے ہیں۔ بظاہر اسی وجہ سے الہ آباد یونیورسٹی نے انڈین سول سروس کے ممتحنوں نے کا طریقہ کار یہ اختیار کیا ہے کہ پرچوں پر ہر طالب علم کا نام نہیں ہوتا۔ صرف رول نمبر درج ہوتا ہے اس مقصد کے حصول کی خاطر ہمارے اپنے کالج ہونے چاہیں اپنے سکول ہوں اپنے استاد اور اپنے ہوسٹل ہوں۔ یہی مقصد حاصل کرنے کیلئے ''آل انڈیا محمڈن'' ایجوکیشن کانفرنس تن دہی سے کام کر رہی ہے۔

یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے لازمی طور پر ہمیں پیسے اور وقت کی ضرورت ہے۔ اپنے کالج اور ہوسٹل قائم کر کے ہم اچھی ابتداء کر سکتے ہیں۔ پنجاب اور متحدہ صوبوں کے مسلمانوں کے اپنے کالج ہیں۔ جو ان صوبوں کے مسلمانوں کے لئے نہایت سودمند ہیں۔ اور احسن طریقے سے ہمارے نوجوانوں کو تعلیم دے رہے ہیں اپنے لئے علیحدہ کالجوں کی صورت میں ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ اسکا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم متذکرہ صوبوں میں علیحدہ کالجوں کے نتائج کا موازنہ ان مسلمان طلباء کے نتائج سے کریں جو دیگر کالجوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اس طرح ہم مسلمانوں کے لئے اولین فریضہ ہے۔ کہ ہم اس نیک کام میں ہاتھ ڈالیں اور پورے ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر ضلع میں کالج قائم کریں تاکہ ہمارے نوجوان ہمارے عقیدے ملک اور ہماری حکومت کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ لیکن ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ اور وہ راہ ہموار کرنا ہوگی جب ہم ایک مکمل مذہبی اخلاقی تربیت کا بیج بوئیں تو ایسی فصل کاٹ سکیں۔ جو ہماری دلی خواہشات پورا کر سکتی ہو۔ ہمیں شروع سے کام کا آغاز کرنا ہوگا۔ ہمیں خود کو کمتر خیال نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے ہو سکتا ہے۔ کہ ہم میں بعض اپنی زندگی میں اس کا نصف حصہ بھی نہ دیکھ سکیں لیکن ہر سچے مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ فارغ نہ بیٹھیں بلکہ ایسی کوششوں میں مصروف رہیں کہ ہم اپنے ہائی سکولوں کو کالجوں کا درجہ دے کر اسلامی تعلیم کی ابتداء کریں۔ کلکتہ اور ڈھاکہ میں مسلمان لیڈر انہیں خطوط پر سوچتے رہے ہیں۔ اور فیصلہ کیا ہے کہ معروف اور قدیم کلکتہ مدرسہ کو ایک بڑے اور مرکزی محمڈن کالج کا درجہ دیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی اقدام کے طور پر ہوسٹل بنائے جائیں۔ جو بسا اوقات اپنی تعلیم کو اس لئے خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔ کہ انہیں مناسب ہوسٹل دستیاب نہیں ہوتا یا وہ غریب اور مفلس طالب علم جو ہوسٹل میں جگہ نہ ملنے کے باعث دوسری جگہ پر رہنے کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے اس طرح طلباء کے لئے ایلیٹ مدرسہ ہوسٹل جو شہر میں واحد مسلمانوں کا ہوسٹل ہے۔ ناکافی جگہ ہونے کے سبب مسلمان طلباء کی بڑی تعداد یا تو تعلیم چھوڑ چلی ہے یا کلکتہ میں تعلیم جاری رکھنے

کی بجائے مخصوص کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے چلے گئے ہیں۔

ہوسٹل حکام نے زمین کا ایک قطعہ حاصل کیا ہے جس کی قیمت ۳۵۰۰۰ ہزار روپے ہے۔ ہوسٹل میں توسیع کے لئے فنڈز کی فوری ضرورت ہے یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ حکومت سے کہا جائے کہ وہ اس حکم کو منسوخ کرے جو حال ہی میں کلکتہ یونیورسٹی نے منظور کیا ہے کہ مناسب سامان نہ ہونے کی وجہ سے کلکتہ مدرسہ جو بھارت کا قدیم ادارہ ہے۔ یونیورسٹی سے الحاق ختم کر دیا جائے اور حکومت سے کہا جائے کہ وہ اس ادارے کو کالج کا درجہ دے سکالرشپ دینے کی بھی تجویز ہے۔ تا کہ وہ طالب علم جو معزز گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے حالات خراب ہیں۔ وہ کلکتہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکیں۔

ہز ہائینس بھارت کے مسلمانوں کی تعلیم میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کو عمومی بہبود میں بھی دلچسپی ہے۔ میں بنگال کے مسلمانوں کی طرف سے آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ اسلام کے لئے فیاضی سے عطیہ دیں عزت افزائی خیال کروں گا۔ اگر ہز ہائینس بذریعہ تار مجھے اطلاع کر دیں کہ کتنی رقم بھجوائی جارہی ہے تا کہ اس ماہ ۱۷ فروری کو ٹاؤن ہال کلکتہ میں ہونے والے جلسہ میں اس کا اعلان کر سکوں۔ جس کا اہتمام کلکتہ کے سرکردہ مسلمان لیڈروں نے کیا ہے۔ تا کہ متذکرہ اسکیم کے لئے رقم جمع کی جا سکے۔ جس کا اندازہ ۱۱ لاکھ روپے لگایا گیا ہے۔

چنانچہ میں ہز ہائینس کو مطلع کئے بغیر یہ خط مکمل نہیں کر سکتا کہ کلکتہ کے محمڈن ہوسٹل کی طرح ڈھاکہ میں بھی محمڈن ہال بنانا تجویز کیا گیا ہے۔ ہونہار لیکن غریب طلباء کو وظائف بھی دیئے جائیں گے۔ اس منصوبے پر ۲ لاکھ روپے کی لاگت آئے گی۔ میں نے اس کے لئے ۸۰ ہزار روپے دیئے ہیں۔

میں آپ کا بہت مشکور ہوں گا۔ اگر ہز ہائینس اس قابل تعریف منصوبے کے لئے بھی کوئی عطیہ عنایت فرما سکیں۔

برائے خلوص کے ساتھ ہز ہائینس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یور ہائینس کا نیاز مند

دستخط

سلیم اللہ

نواب آف ڈھاکہ